© rasailojaraid.com

اداریہ

یک قطبی نیا عالمی نظام یا ایک عالمی سلطنت؟

انیس احمد

تہذیبوں کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ جب تک وہ اپنے فکری محور، نظریاتی اساس اور اس کی روشنی میں متعین کردہ حکمت عملی پر عمل کرتی ہیں عروج کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور جب ان کی فکری اساس اور نظریاتی وابستگی اور وفاداری کمزور ہو جاتی ہے تو وہ بتدریج معدوم ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ فکری اساس اخلاق اور بندگیٔ رب پر مبنی ہو تو معاشرہ میں فلاح اور برکات کا دور دورہ ہوتا ہے اور اگر یہ فکر محض مادہ کی پرستش پر مبنی ہو تو مادیت کی ریل پیل تو ہو جاتی ہے لیکن انسان اپنے مقصد حیات سے دوری کی بنا پر وہ راحت، برکت اور سکون حاصل نہیں کر پاتا جو اسے واقعتاً مستغنی کر دے۔ ہوس، طمع، ہل من مزید کی دوڑ اسے قارونیت کی طرف لے جاتی ہے جہاں سب کچھ پا لینے کے باوجود بھی وہ خود کو تنگ دست ہی محسوس کرتا ہے۔

مغربی تہذیب خود اپنی تعریف جن الفاظ میں کرتی ہے وہ ایک ایسی فکر ہے جس کی بنیاد انسان اور کائنات کے مادی وجود پر ہے۔ چنانچہ مادی قوت، مادی وسائل کا حصول، مادی خوش حالی اور معیارِ زندگی کی طلب، اس کا بنیادی مقصد اور ہدف قرار پاتے ہیں۔ آج مغرب ہی نہیں پوری دنیا جس کشمکش سے دوچار ہے، اس کے پس منظر میں یہی مادی وسائل، یہ حکمرانی کی دوڑ، بنیادی عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء سے بہت پہلے ”بڑے ولی“ کے دور میں جس ”نئے عالمی نظام“ (NWO) اور عالمگیریت (Globalization) کا نعرہ بلند کیا گیا تھا اس کا بنیادی نکتہ امریکہ کی معاشی، سیاسی اور عسکری اجارہ داری کا قیام تھا۔ چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اور مغربی سرمایہ کاری کے اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے کھلی منڈی (free market machanism) کے ذریعہ دوسروں پر اپنی معاشی حاکمیت نافذ کرنے کی حکمت عملی وضع کی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''چھوٹے ولی'' یا موجودہ صدر نے ۱۹ ستمبر ۲۰۰۲ء کو جو ''نئی قومی حکمت عملی برائے تحفظ'' "National Security Strategy of the U.S" ترتیب دی اس میں معاشی اجارہ داری سے ایک قدم آگے بڑھ کر "Pre-emptive military attacks" یا قبل از وقت شبخون مارنے کو ''قومی تحفظ و بقاء'' کے تصور کے تحت ایک فتویٰ دے کر جائز ہی نہیں ضروری قرار دے دیا۔ اہل دانش تو اسی وقت اس راز کو پا گئے تھے کہ اس فتویٰ کے پیچھے ارادے نیک نہیں ہو سکتے لیکن بہت سے سادہ لوح افراد کو گیارہ ستمبر کا انتظار رہا جس کو عذر بنا کر پہلے ایک فرضی بھوت القائدہ اور اس کے موجد بن لادن کو ایجاد کیا جائے اور پھر گیارہ ستمبر کی عظیم تباہی اور سرمایہ داری کو خود اس کے گھر میں بے عزت کرنے کے الزام میں اس خود تراشیدہ بھوت کو مار مار کر اس کا بھرکس نکالنے کے لیے اپنی تمام جابرانہ اور قاہرانہ قوت کو استعمال کیا جائے۔ اور اس طرح عالمی سلامتی کے لیے بین الاقوامی قانون کی وہ ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ گرے جسے انسان صدیوں کی جنگوں کے تجربے کے بعد تعمیر کر پایا تھا۔ افغانستان اور عراق پیشگی حملے کے قانون کے جواز کے تحت جارحیت کی ابتدائی مثالیں ہیں، اور قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسی مزید خون آشام مثالیں تاریخ کا حصہ بنانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔

اگر جائزہ لیا جائے تو یہ حکمت عملی ان سابقہ حکمت عملیوں کے ایک تسلسل کا پتہ دیتی ہے جنہیں اس سے قبل امریکہ کے سابقہ صدور نے اپنے اپنے دور میں قومی تحفظ کے قابل فروخت نعرے کے تحت اختیار کیا تھا۔ صدر ٹرومین نے ۱۹۴۷ء میں دوسروں کو حد ادب میں رکھنے کی پالیسی وضع کرتے ہوئے "Containment" کا علم بلند کیا اور اس پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے گئے۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں، NSC-68 کے نام سے جوہری دھمکی (deterance) کی حکمت عملی وضع کر کے سرد جنگ کو آگے بڑھایا گیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی بار بار دہرائی گئی کہ ان تحفظات کے ساتھ جو جز و زیادہ اہم ہے وہ ایک اباحیت پسند جمہوری نظام کے لیے آزاد منڈی (free market)، اور بندھنوں سے آزاد معاشرہ (open society) کا قیام ہے۔ اس تثلیث جدید نے عیسائیت کی تثلیث قدیم کی جگہ اپنے قدم جمائے اور ایک نئے دور کے آغاز کی جدوجہد شروع کی۔

جس طرح ہر مادہ پرست تہذیب کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی برتری کے زعم میں ہر سامنے آنے والی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رکاوٹ کو تہس نہس کرنے کا عزم رکھتی ہے، ایسے ہی اس تثلیث جدید نے اپنے نظریہ کو نافذ کرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ کے استعمال کو "pragmatism" کا ایک بہت بھلا نام دیا جس کا سہرا مشہور امریکہ فلسفی John Dewey کے سر ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امریکہ ہی نہیں یورپ میں Utilitarianism کے نام سے John Stewert Mill اور دیگر Empiricists کا تصور بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھا۔ یعنی اصل کامیابی کا معیار حصول ہدف میں ہے۔ جادو وہی سچا ہے جو منزل مراد آپ کے حوالے کر سکے، نظام وہی درست ہے جو متوقع نتائج تک پہنچا سکے۔ اس لیے اس بحث سے کچھ حاصل نہیں کہ ذرائع جائز ہیں یا ناجائز۔

چنانچہ امریکہ ہی نہیں سرمایہ دارانہ بنیاد پرستی (capitalist fundamentalism) کے ہر ماننے والے مغربی یا مشرقی ملک نے اس مادی دوڑ میں اپنا حصہ وصول کرنے کی کوشش میں اولیاء الشیاطین کا کردار ادا کرنے میں مسابقت شروع کر دی۔ اور حقوق انسانی، حریت افکار، مذہبی آزادی، ثقافتی تحفظ، قومی سرحدوں کا احترام غرض ان تمام کھوکھلے نعروں کو بار بار دہرانے کے باوجود نہ عراق پر پہلے حملے کے موقع پر، نہ افغانستان کے تورا بورا کرنے، نہ ہر روز بیسیوں فلسطینی بچوں بوڑھوں اور خواتین کے قتل کے خلاف ہاتھ اٹھانے بلکہ آنسو بہانے یا آہ تک کرنے کے تکلف کو اپنا اخلاقی فرض سمجھا۔

اس عالمی پس منظر میں اگر صدر بش اپنے استعماری مقاصد کے تحت pre-emptive war کا تصور لے کر آئے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ تعجب تو اس وقت ہوتا اگر طاقتور ریاستوں کی جارحیتوں اور ملک گیری کی تاریخی روایت کی اصلاح کرتے ہوئے آج کے اس ترقی یافتہ دور میں امریکہ جیسا کوئی طاقتور ترین، ملک سب کے لیے اپنے اصولوں اور اقدار کے مطابق جینے کا حق تسلیم کر لیتا۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

عراق پر امریکی جارحانہ قبضہ نے اہل دانش کے چار اندیشوں کو درست ثابت کر دیا ہے۔ انہیں پہلا اندیشہ یہ تھا کہ امریکہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ کو حیلہ بنا کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جدید تثلیث کو اگر کوئی حقیقی خطرہ ہے تو صرف ان ''انتہا پسندوں'' سے ہے جو مغربی سرمایہ دارانہ بنیاد پرستی پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاچاری، مایوسی اور غصہ کا بخار نکالنے کے لیے تشدد کو اپنا حربہ اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے سرمایہ دارانہ بنیاد پرستی کو اپنے تحفظ و بقاء کے لیے اس ''خیالی'' دشمن سے نپٹنا ہوگا جو ایک ''تہذیبی تصادم'' کا باعث بن رہا ہے۔

یہاں یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ تہذیبی تصادم کا نظریہ پہلے ہی سے اس بات کو فرض کر لیتا ہے کہ عام جنگوں کی طرح اس تصادم میں بھی کسی ایک کو فتح یاب ہونا ہے اور دوسرے کو شکست دے کر صفحہ ہستی سے مٹانا ہے گویا انسانی معاشرہ میں کثرتیت plurality کی جگہ یک نظامی اور یک نظریاتی نظام کا قیام اور وجود ہی انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے!۔ ایک سے زیادہ تہذیبوں اور نظریات کا وجود تضاد، تصادم اور ٹکراؤ کا باعث بنتا ہے اس لیے صرف ایک نظریہ یعنی اباحیت پسند جمہوریت، آزاد معاشی منڈی اور ہر بندھن سے آزاد معاشرت ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دنیا پر حکومت کرے!

ایک لمحہ کے لیے رک کر غور کیا جائے تو اس تصور میں وہی صفات اور خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہے جن کا الزام ''بنیاد پرستی'' اور ''انتہا پسندی'' کے ماننے والوں پر نام نہاد لبرل، لادینیت پسند (secularist) عاید کرتے ہیں۔ بنیاد پرستوں پر یہی الزام تو ہے کہ وہ اپنی فکر اور نظریہ کے علاوہ کسی اور فکر کو رائج ہونے کی اجازت نہیں دیتے۔ چنانچہ اُچک اچک کر Talibanization کو بطور ایک کریہہ اصطلاح کے استعمال کیا جاتا ہے کہ اگر لبرل ازم اور لادینیت پر ایمان لا کر اسے اختیار نہ کیا تو Talibanization کا بھوت حملہ آور ہو جائے گا۔ اگر طالبانی فکر ایک عدم رواداری کے رویہ کا نام ہے تو کیا اس کی جگہ لبرل ازم کے نام پر دنیا کی آبادی کو multi-religious اور multi-cultural طرز سے محروم کر کے نئی تثلیث کے علمبردار نام نہاد نیو ورلڈ آرڈر کی سلطنت کو مان لینے کو ''رواداری''، ''جمہوریت'' اور ''شخصی آزادی'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے؟۔

دوسرا خدشہ اس حوالہ سے یہ ہے کہ اگر pre-emptive war کے تصور کو اخلاقی اور قانونی تحفظ حاصل ہو گیا تو جس Divine immunity سے نکلنے کے لیے یورپی اقوام نے ''معصوم'' اور ''منزہ عن الخطا'' کلیسا کی سلطنت کے خلاف بغاوت کر کے ریاست کو آزاد کرایا تھا، تاریخ گھوم پھر کر پھر اسی نقطہ پر آ کر رک جائے گی اور یک قطبی بلکہ یک فریقی سلطنت جو کچھ چاہے گی اسے عین حق اور ضرورت قرار دیتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے اپنی سلطنت کو تمام اقوام عالم پر مسلط کرنے میں کوئی شرم، جھجک اور رکاوٹ محسوس نہیں کرے گی۔ موجودہ صورت حال نے اس خدشہ کو یقین کا درجہ فراہم کر دیا ہے۔ ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہونے کے باوجود اس کھلی جارحیت کے خلاف جو امریکہ نے عراق کے عوام کے خلاف اختیار کی جب فرانس اور جرمنی نے اس غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت پر اعتراض کیا تو ان کے اختلاف کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے عالمی سلطنت کے مدعی نے وہی کیا جو اس کے خیال میں درست تھا۔ حتیٰ کہ ایسا کرتے ہوئے نہ اقوام متحدہ کی عزت کا پاس کیا اور نہ یورپ کے ساتھ اپنے نہایت قریبی تعلقات کا لحاظ کیا۔

گیارہ ستمبر کے حوالے سے تیسرا خدشہ اس سانحے کے ذمہ داران کے تعین کے بارے میں ہے۔ ہر شخص حتیٰ کہ انسان ہی نہیں حیوانات بھی اپنے اقدامات سے پہلے یہ اندازہ کر لیتے ہیں کہ ان کے کسی کام کا ردعمل کیا ہوگا۔ چنانچہ شیر اگر دوسرے شیر کے کچھار میں قدم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ نتائج خون آشام ہو سکتے ہیں۔ ایک گاؤں کا کتا بھی اگر کسی دوسرے اعلیٰ نسل کے کتے کی سلطنت میں قدم رکھتا ہے تو دم گھما گھما کر حالات کا اندازہ کرتا رہتا ہے کہ کب دم دبا کر بھاگنا مصلحت کا تقاضا ہوگا۔ اس لیے جس کسی عقلمند نے یہ خیال ہے کہ ادھر تجارتی میناروں کو جہاز ٹکرا کر توڑا ادھر صدر امریکہ مستعفی ہو کر دست بستہ اپنی صدارت حملہ آوروں کے حوالے کر کے گوشہ نشین ہو جائے گا اور سرمایہ دارانہ نظام دھڑام سے زمین پر آ رہے گا اسے خود اپنی عقل کے ناخن لینے چاہییں۔ گویا ایک کم عقل انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس اقدام کا نتیجہ صرف اور صرف مسلمانوں کے خلاف ردعمل کی شکل میں نکلے گا۔ اس کی زد نہ اسرائیل پر پڑے گی نہ اس کی بنا پر مسئلہ فلسطین حل ہوگا، نہ اس کی بنا پر بہت سی مسلم جابر حکومتیں لرزہ براندام ہو کر زمین بوس ہوں گی۔ بلکہ اسلام اور مسلمان دشمنی اپنے نقطہ عروج کو پہنچ جائے گی۔

اس حقیقت کو جانتے ہوئے کیا کوئی شخص جو اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی اور بہتری کا خواہاں ہو ایسا اقدام کر سکتا ہے؟ یا جس کو اسلام اور مسلمانوں کو نشانہ بنانا مقصود ہو وہ ایک جواز پیدا کرنے کے لیے خود اپنے گھر کے ایک کونے میں آگ سلگا کر جوابی حملہ کرنے اور اپنے مخالف کو تباہ و برباد کرنے کی حکمت عملی تیار کرے گا؟۔ ایک لمحہ کے لیے ہم صرف نظر کرتے ہوئے یہ بھول بھی جائیں کہ اس اقدام کے پیچھے کون ہو سکتا ہے اگر صرف اس وقوعہ کے نتائج کو دیکھا جائے تو نزلہ سب کا سب جس عضو ضعیف پر گرا وہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور صرف امت مسلمہ تھی۔

گویا pre-emptive war کے اہداف نہ تو جاپان، جرمنی، فرانس، اسپین یا ہندوستان اور اسرائیل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سنگاپور یا فلپائن۔ انہیں منطقی طور پر شام یا ایران وغیرہ ہی ہونا چاہیے۔ اس لیے ایک تیر سے کئی شکار کرتے ہوئے صدر بش جواب تک ''خالی الذہنی'' کے لیے مشہور تھے، کم از کم قوت کے برہنہ استعمال میں اپنے سابقین سے آگے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے ''قومی تحفظ'' کے نام پر اندرون ملک معاشی بحران کا حل اس میں ڈھونڈا کہ جنگی معیشت اور عسکری برتری کے سہارے امریکہ کے لیے مفت تیل کی فراہمی کو اپنا ہدف بنایا جائے۔ اس طرح نہ صرف جنگی جارحیت کے تمام اخراجات بمعہ سود امریکہ کو مل جانے کا یقینی راستہ کھل گیا بلکہ طویل المعیاد معاشی مفاد کا حصول ایک ہی حملہ میں کر لیا گیا۔ یہی کام کسی زمانے میں چھوٹے پیمانہ پر بحری قزاق اور بری ڈاکو کیا کرتے تھے تو معاشرہ کے صالح افراد انہیں نفرت سے دیکھتے اور ان کے ہاتھ کاٹنے کے درپے ہوتے تھے۔ آج جو ملک یہ ''مبارک'' کام کرتا ہے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس کے ہاتھ نہیں قدموں کو بوسہ دینا، بہت سے فرماں روا اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں!

اس کا نتیجہ واضح ہے۔ یعنی امریکہ نے اپنا تمام بوجھ جس پلڑے میں ڈال دیا ہے وہ مسلم دنیا کے مفادات، وجود اور آزادی کے منافی ہے۔ اور ماضی کی سلطنت روما کے طرز پر، ایک عالمی امریکی سلطنت، کے قیام کا بانگ دہل اعلان ہے۔ اس عالمی سلطنت Amrican Empire کا بنیادی مقصد سرمایہ دارانہ بنیاد پرستی، N.W.O کا عالمی سطح پر جارحانہ قوت کے استعمال (pre-emptive war) کے ذریعے قیام کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کے خاتمہ کے بہانہ ان بہت سے ممالک کو براہ راست ایک نو سامراجی نظام کے تحت لانا ہے جو کسی بھی حیثیت سے مادی وسائل کے کم قیمت یا بلا قیمت حصول میں کام آ سکتے ہیں۔ امریکہ کے پیٹ میں عراقی عوام کی مظلومیت کا درد اٹھنے کا اصل محرک اپنے صنعتی اداروں کے لیے پانی کی قیمت سے زیادہ ارزاں بلکہ مفت تیل کا حصول تھا۔ جس کا اظہار غیر شعوری طور پر عراق پر حملہ کے نعرے Operation Iraq Liberation [O.I.L] سے ہوا۔ گو ہم سمجھتے ہیں کہ ڈاکہ جس عنوان سے بھی ڈالا جائے ڈاکہ ہی رہتا ہے اس لیے اگر عنوان پر کچھ نظر ثانی بھی کر لی جاتی تو عملاً نتائج وہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہتے۔

اس نئی سلطنت کے دور کا آغاز جس فرعونی اور قارونی نعرہ سے کیا گیا ہے وہ قرآن کریم کے الفاظ میں وہی ہے جسے ماضی کے فرعون نے اختیار کیا تھا۔اس کا کہنا تھا کہ وہ Unipolar Power ہے، اس کے پاس sanctions کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، وہ بنی اسرائیل کے افراد کو زندگی اور موت دینے کا حق رکھتا ہے، وہ نئے فرعونی اور قارونی نظام کا علمبردار ہے، اس کے ہاتھ میں معاشی وسائل کی کنجیاں ہیں وہ اپنے دور کے World Bank اور Internationl Monetary Fund کی پالیسیوں کو کنٹرول کرتا ہے، وہ لوگوں کو رزق دیتا ہے، وہ ان کا عسکری دفاع کرتا ہے، اور جو اسے دوست بنائے باقی رہتا ہے، اور جس کا وہ دشمن ہو وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے گویا وہ لوگوں کا رب ہے ''انا ربکم الاعلیٰ'' (سورہ: النازعات ۷۹: ۲۴)۔لیکن ان تمام دعوؤں کے باوجود اس کا انجام دوسروں کے لیے عبرت بنا لیکن انہی کے لیے جو بصیرت رکھتے ہوں فاعتبرو یا اولی الابصار (سورہ: الحشر ۵۹: ۲)۔جن کے قلب کی آنکھ بند ہو جائے ان کی ظاہری آنکھیں بھی انہیں حالات کی صحیح تصویر دکھانا بند کر دیتی ہیں۔

اس عالمی تناظر میں جب ۱۱ ستمبر محض ایک حیلہ نظر آتا ہے کیا دیوار پر لکھی تحریر پڑھنے کے لیے کسی خاص بینائی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔سرمایہ دارانہ بنیاد پرست قوتیں امریکہ کی ہوں یا کسی اور خطے کی ان کا عقیدہ معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی تصور تثلیث ہے جس میں اولین خدا منڈی کی معیشت ہے اور پھر اباحیت پسند معاشرہ کے زیر سایہ نام نہاد جمہوریت۔

اس تثلیث جدید کی حقانیت پر وہ نہ صرف ایمان رکھتی ہیں بلکہ یہ بھی چاہتی ہیں کہ دوسرے بھی انہی کی طرح ان پر ایمان لے آئیں۔اس کے لیے وہ عسکری قوت کے ذریعہ دیگر ممالک میں سیاسی تبدیلی کو جسے وہ "regime change" کا نام دیتی ہیں اخلاقاً اور قانوناً جمہوریت کے اصولوں کے مطابق سمجھتی ہیں۔قرون وسطیٰ کی عیسائیت میں ایسے ہی عقائد کو Dogma کہا گیا تھا۔گویا اکیسویں صدی کا ترقی یافتہ اور ''مہذب'' مغرب عالمگیریت اور جدید عالمی نظام کے نام سے جو اقدامات کر رہا ہے وہ عملاً ایک قسم کے Dogma کو دوسروں پر مسلط کرنا اور جمہوریت کے نام پر جمہوریت کے بنیادی تصورات سے بانگ دہل انحراف و بغاوت کی روش ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حالات کا جواب کس طرح دیا جائے؟ کیا اپنی معاشی، عسکری اور سیاسی قوت کو محدود تصور کرتے ہوئے سرمایہ دارانہ بنیاد پرستی کے بت کے سامنے سربسجود ہو کر اسے اپنا ہادی، ناصر، محافظ، مالک اور ولی تصور کرتے ہوئے خود کو اس کے ساتھ مکمل طور پر وابستہ کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا جائے ہم محفوظ و مامون ہو گئے، بلا ٹل گئی، چاہے اس ٹلنے کے عمل میں ہم نے اپنے بعض دوستوں کے خون کو خود پر حلال ہونے دیا ہو؟ یا اپنے محدود وسائل کے پورے احساس کے ساتھ حالات کا مقابلہ ہی نہیں انہیں اپنے حق میں تبدیل کرنے کے لیے مقامی اور عالمی طور پر ایک ایسی حکمت عملی وضع کی جائے جو قومی وقار، معاشی خود انحصاری، سیاسی آزادی اور ثقافتی تشخص کو متاثر کیے بغیر ملکی تحفظ و سالمیت کے ساتھ ترقی کے راستے کی طرف لے جاتی ہو۔

اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے مغرب کے طرز عمل، عزائم اور حکمت عملی کو سمجھنے کے لیے کیا ہمارا رویہ وہی ہونا چاہیے جو مغرب کا ہمارے ساتھ ہے یا اسلام کے اخلاقی اصولوں کی روشنی میں ہم ٹکراؤ اور تصادم کی جگہ دعوت و اصلاح کے جذبات کے ساتھ مغرب کے ان صالح عناصر کو مخاطب کریں جو مغرب کی مادہ پرستانہ بنیاد پرستی کے خلاف اپنی عوامی رائے کا بارہا اظہار کر چکے ہیں۔ خصوصاً عراق پر امریکہ جارحیت کے دوران جن لاکھوں افراد نے اجتماعات کی شکل میں اپنے حکمرانوں کی پالیسی کے خلاف اپنی رائے کا اظہار جرأت مندی کے ساتھ خود سرمایہ داری کے مراکز واشنگٹن، لندن، ٹوکیو، لاس انجیلس غرض دنیا کے ۴۰۰ بڑے شہروں میں کیا اور ان میں وہ افراد بھی شامل ہوئے جنہیں سائنس اور ادب میں نوبل پرائز دیے گئے تھے۔

اس مکالمہ اور رائے عامہ کو متاثر کرنے کے عمل کا یہ مطلب قطعاً نہیں لیا جا سکتا کہ ہم اس قرآنی حکم کہ اپنے ''گھوڑوں کو تیار رکھو'' کو نظر انداز کر دیں۔ ان دونوں کاموں میں کوئی تضاد نہیں پایا جا سکتا۔ اپنے معاشی عسکری اور نظریاتی وسائل کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا اور خود انحصاری کا حصول ہی ہمارے مکالمہ میں سنجیدگی پیدا کر سکتا ہے اس لیے فرعونی اور قارونی قوتوں کے خلاف نہ صرف فکر اور زبان سے بلکہ ہاتھ اور قوت سے مقابلہ اور مکالمہ کا راستہ بیک وقت اختیار کیے بغیر ہم اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتے۔

اس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے اندرونی خلفشار خصوصی طور پر قیادت اور عوام میں فاصلہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قیادت کا عمومی طور پر مغرب سے مرعوبانہ رویہ، معاشی، تعلیمی، ثقافتی اور عسکری میدانوں میں مغرب کی اندھی تقلید اور اخلاقی انتشار ایسے مسائل ہیں جن کے مناسب حل کے بغیر بیرونی قرضوں کے سہارے چلنے والی معیشتیں اندرونی استحکام فراہم نہیں کرسکتیں۔ مغرب کی جارحیت کا جواب تشدد سے نہیں حکمت اور دانش سے طویل المیعاد اور مختصر مدت کی منصوبہ بندی اور خودانحصاری سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com